Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:2، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

الطاف فاطمہ کے افسانوں کے خواتین کرداروں کا نفسیاتی جائزہ

Psychological Analysis of Female Characters in Altaf Fatima's Stories

Syeda Rukhsana Fida
PhD Scholar, Benazir Women University, Peshawar

سیدہ رخسانہ فدا
پی ایچ۔ڈی اسکالر بینظیر وومن یونیورسٹی، پشاور

Dr. Bismina
Associate Professor, Benazir Women University, Peshawar

ڈاکٹر بسمینہ
ایسوسی ایٹ پروفیسر بینظیر وومن یونیورسٹی، پشاور

Abstract

Through her characters, Altaf Fatimah, a feminist, identifies Kurdish issues and problems. She explores the internal struggles of women through her characters.It presents the inner and psychological qualities of feelings and external situations. Altaf Fatima was very sad to see her civilization disintegrate. She felt the inner third of the individual in a life free from chaos and turmoil. How much on Hamadism, industrial development, scientific revolution on artificiality and artificial life, tradition from millennia and time. Circulation has created the form of human connections and disconnection. It has made it. The reason is that people are useless like superfluous objects. Altaf Fatima presents women in her stories as a worker. Because for her, women are not just a means of entertainment. Rather, she brings out the need and importance of women and their place and status in society with specificity. She wrote very meticulously on the psychological problems of women.

Keywords: *Psychological Qualities of Feelings, External Situations, Internal Struggle of Women, Psychological Problems of women, Importance of Women*

کلیدی الفاظ: جذبات کی نفسیاتی خصوصیات، بیرونی حالات، خواتین کی اندرونی جدوجہد، خواتین کے نفسیاتی مسائل، خواتین کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بہترین عقل و فکر سے نوازا ہے۔ انسانی شعور کے ہمراہ غور و فکر کرنے کی تلقین عطا فرمائی ہے۔ ہر فرد اپنے غم و خوشی کے جذبات دوسروں پر ظاہر کرنے سے ذہنی سکون محسوس کرتا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ کسی حد تک ذہنی دباؤ اور الجھنوں سے نجات حاصل کرتا ہے۔

جدید نفسیات کے بانی سگمنڈ فرائڈ نے انسانی ذہن کے اعمال کو شعور کہا ہے۔ اس کے مطابق قبل شعور اور لاشعور انسانی ذہن کے دو حصے ہیں۔ جس میں انسانی زندگی کے مختلف واقعات جمع ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انسان کچھ نام، واقعات کچھ وقت کے لیے بھول جاتا ہے۔ لیکن ذہن پر تھوڑا دباؤ ڈالنے سے یاد آجاتے ہیں اس کو قبل شعور کہتے ہیں۔ فرائڈ نے پہلے لاشعور کو ناخوشگوار واقعات تک محدود رکھا لیکن بعد میں طفلانہ جنسیت کا نظریہ پیش کر کے تبدیلی پیدا کی۔ انھوں نے انسانی تجربات میں پیدائش سے پہلے کے وقت کو بھی شامل کیا کہ وہ صرف خوشگوار واقعات کو یاد رکھیں۔ جو اس کی ذہنی مسرت کا باعث ہو۔ اس لیے وہ خوشگوار واقعات کو لاشعور میں لے کر جانا چاہتا ہے۔ لیکن اکثر لاشعور میں موجود ناخوشگوار واقعات بھی اظہار کرنے کا راستہ چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ واقعات انسان کے زبان، قلم اور

OPEN ACCESS HEC DRJI ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE اشاریہ اردو جرائد EuroPub

خواب کی صورت میں سامنے آجاتے ہیں۔ بعض ناخوشگوار واقعات شعور میں آنے کے ذہنی کشمکش اور الجھن کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس ذہنی دباؤ کو (الجھاؤ) کہا جاتا ہے۔ ایک حساس ادیب یا شاعر بھی اپنے سماج کے مختلف مسائل اور برائیوں سے ذہنی دباؤ اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس ذہنی الجھاؤ اور اپنے سماج سے ہر برائی کے خاتمے کے لیے وہ مختلف کہانیاں لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ کسی حد تک ذہنی آسودگی پالیتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اپنی کتاب "ادب اور لاشعور" میں لکھا ہے:

> "ایسا فرد جو اپنی تخلیقی صلاحیتوں، اعلیٰ ذہانت اور فکر انگیز بصیرت کے باوجود بھی ایک ایسا انسان ہے جس کی زندگی میں بھی کچھ محرومیاں اور الجھنیں پائی جاتی ہیں، وہ اپنی پژمردہ انا کی تسکین کے لیے صرف اپنی ذہانت اور قلم سے ہی کام لے سکتا ہے"۔ (1)

ایک بہترین ادیب اپنے سماج کے افراد کی نفسیات سے بخوبی آگاہ ہوتا ہے وہ اپنے مشاہدات، تجربات اور حقیقت پسندی سے کام لے کر فرد کو شعور اور لاشعور کی دنیا میں لے جا کر اسے غور و فکر پر مجبور کر دیتا ہے۔ جس کو عام فرد بتانے کا حوصلہ اور احساس نہیں رکھتا۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "دیگر افراد کی مانند فنکار بھی ذہنی الجھنوں، ہیجانی پریشانیوں اور ناآسودہ خواہشات کے بھنور میں گھرا ہوتا ہے اور اپنے قارئین کی طرح اس کے دل میں بھی مدفن آرزو ملتا ہے"۔ (2)

سگمنڈ فرائڈ کا ادب پر گہرا اثر موجود ہے۔ ان کے مطابق انسان کی شخصیت انسانی رشتوں اور معاشرتی دباؤ سے بنتی ہے۔ انسانی ذہن اپنی سماجی رکاوٹوں سے ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض کی کہانیوں میں ان کی ذاتی زندگی کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر ثوبیہ طاہر اپنی کتاب "فرائڈ کے مضامین" میں لکھتی ہیں:

> "معاشرہ فرد سے اچھے رویے کے حصول کے لیے اس پر لاتعداد پابندیاں عائد کرتا ہے کہ جس کے نتیجے میں فرد کو اپنی جبلتیں دبانی پڑتی ہیں۔ جبلت پر پابندی سے اس میں رد عمل اور متبادل تسکین ڈھونڈنے کے عمل کا آغاز ہوتا تھا۔ جبلت پر پابندی تناؤ اور کشیدگی کا باعث بنتی ہے"۔ (3)

بعض انسان بچپن سے ہی اپنی ماں سے بے حد محبت کرتا ہے اور اپنے والد کو اپنا رقیب سمجھتا ہے۔ فرائڈ نے اس نفسیاتی مسئلے کو (ایڈی میں الجھاؤ) کہا ہے۔ بڑا ہونے پر انسان اس خواہش کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ جس سے اس کی شخصیت مٹ جاتی ہے۔ اس نفسیاتی مسئلے کو (برتر انا) کہا جاتا ہے۔ یہ ایک لاشعوری مسئلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرائڈ نے لاشعور کو اہم کہا ہے۔ ہر انسان کے ذہن میں بچپن ہی سے کچھ سوالات گردش کرتے رہتے ہیں۔ لیکن بڑا ہونے پر اپنے والدین اور معاشرے کی رکاوٹوں سے وہ احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اکثر فرد خارجی اور داخلی تجربے کی بناء پر خوف اور گھبراہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔ فرائڈ نے اس نفسیاتی مسئلہ کو فکری اعصابی خلل کا نام دیا ہے۔

ڈاکٹر ثوبیہ طاہر نے انسانی لاشعور کے بارے میں لکھا ہے:

"لاشعور کوئی فعال ادارہ نہیں۔ یہ کوئی عملاً کام نہیں کر سکتا۔ یہ ہر خواہشیں اور آرزویں کر سکتا ہے لیکن اس کی نفسیاتی حقیقت کو زندگی کے عملی حقاءق سے کمتر درجہ دینا بالکل غلط ہو گا۔ لاشعور کی طاقت کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔"(5)

جدید ادب میں نفسیاتی امراض کے تجربات کا ذکر بہت زیادہ ہے۔ ہر افسانہ نگار کی تحریروں میں احساسِ برتری، احساسِ کمتری، نرگسیت خود اذیتی اور سادیت پرستی کے نفسیاتی امراض کی جھلک دکھاتی ہیں۔

ہر افسانہ نگار پر خارجی اور داخلی عوامل اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ اس لئے نفسیات کو ادب کی روح کہا جاتا ہے۔ ہر افسانہ نگار اپنے معاشرے کی ناانصافیوں اور ظلم و ستم کو اپنے قلم کی طاقت سے ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک افسانہ نگار اپنے سماج کی اصلاح اور اپنی ذہنی الجھنوں سے نجات پانے کے لئے آس پاس کے لوگوں کا مشاہدہ کر کے بہترین کہانی لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد میں مسلمان جن نفسیاتی مسائل میں مبتلا تھے۔ ان ذہنی اذیتوں کو مرد و خواتین افسانہ نگاروں نے اپنا موضوع بنایا۔ خواتین افسانہ نگاروں میں رشید جہاں، عصمت چغتائی، ممتاز شیریں، واجدہ تبسم، جیلانی بانو، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور اور الطاف فاطمہ وغیرہ شامل تھیں۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش "پاکستانی اہلِ قلم خواتین" میں ان افسانہ نگاروں کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"انھوں نے اپنے تخلیقی اظہار سے عورت کے وجود، اس کی حیثیت، اس کی ذہنی و نفسیاتی پیچیدگیوں، مطالبوں اور خاموشی کو قوتِ گویائی عطا کی ہے۔"(6)

1947ء کے بعد افسانہ نگاری کا اہم سال تھا۔ نفسیاتی رجحان کے حامل افسانہ نگاروں نے خواتین کے نفسیاتی الجھنوں اور اندرونی گھٹن کو عیاں کیا۔ معاشی و نفسیاتی مسائل اور تعلیم کی کمی نے اس وقت کے لوگوں کو بے راہ روی کا راستہ دکھایا تھا۔

الطاف فاطمہ اس وقت کی خواتین افسانہ نگاروں میں ایک ایسی حساس خاتون تھیں جو عورت کی اہمیت اور ضرورت کو بہت اہم سمجھتی تھیں۔ الطاف فاطمہ افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قابل معلمہ بھی تھیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے ملازمت پیشہ خواتین کی مشکلات اور نفسیاتی الجھنوں کا مشاہدہ کر کے ان کی نفسیات کو اپنے افسانوں میں شامل کیا۔ وہ عورت کو کھیل و تفریح کی شے نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ عورت کو اپنے معاشرے کا باعزت اور ذمہ دار فرد سمجھتی تھیں۔ ڈاکٹر سلطانہ بخش "پاکستانی اہلِ قلم خواتین" میں لکھتی ہیں:

"ان کے افسانوں کے کرداروں میں ملازمت پیشہ نسوانی کردار، عورت کی مجرد زندگی کا تجربہ ان کے گہرے مشاہدے کا غماز ہے اور اچھی کردار نگاری کا مظاہرہ ہے۔"(7)

الطاف فاطمہ نے معاشرے کی اصلاح کے لئے معاشرتی ناہمواریوں اور حقیقتوں کو فلسفیانہ انداز دیا۔ ان کے موضوعات میں قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت وفسادات کے نتیجے میں اغوا کی جانے والی خواتین کی ذہنی اذیتیں، اخلاقی زوال، نفرت و محبت، غربت، جہالت، ماضی پرستی اور بے جوڑ شادی سے پیدا شدہ نفسیاتی مسائل وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے افسانوں میں عورت کی اخلاقی، مذہبی، قربانی، دردمندی اور وفا شعاری نظر آتی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت جب انسانیت کو پاؤں تلے روندا جا رہا تھا۔ جذبہ انتقام کے باعث خواتین کی عزتوں

سے کھیلا جارہا تھا۔ کچھ خواتین اپنی عصمت کی خاطر خود کشی کرنے پر مجبور ہوئی۔ الطاف فاطمہ ان دل سوز واقعات کی چشم دید گواہ تھیں اس لئے الطاف فاطمہ کے افسانوں میں ناسٹیلجیا کے واقعات وافر مقدار میں موجود ہیں۔

الطاف فاطمہ کی پیدائش 10 جون 1927ء کو لکھنو (یوپی) میں اونل ہاؤس قیصر باغ میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت اور افسانوں پر لکھنو کی تہذیب کا گہرا اثر ہے۔ الطاف فاطمہ افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ایک بہترین ناول نگار اور ترجمہ نگار بھی تھیں۔ ہندوستان کے خیر آبادی "سلسلہ علماء" سے تعلق کی بناء پر علم و ادب ان کو وراثت میں ملا۔ الطاف فاطمہ کے والد "فضل امین "ہندوستان میں اسسٹنٹ چیف سیکرٹری ہونے کے ساتھ یونیورسٹی کے وائس پریزیڈنٹ بھی تھے۔ بد قسمتی سے 33 برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ الطاف فاطمہ کی والدہ "سید ممتاز جہاں بیگم "نے اپنے بچوں کو بہترین زندگی کے لئے دینی اور دنیاوی تعلیم سے آراستہ کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد الطاف فاطمہ اپنے خاندان کے ہمراہ لاہور آئیں۔ ان کے بہن بھائی بھی ادبی دنیا سے وابستہ تھے۔ ان کی والدہ کا انتقال 1964ء میں ہوا۔ الطاف فاطمہ کو بچپن میں پڑھنے لکھنے کا شوق تھا لیکن والدہ کی خواہش پر شیخ سعدی کی مشہور کتابوں کے مطالعے نے ان کی شخصیت پر گہرا اثر کیا۔ انھوں نے 1951ء میں گریجویشن اور 1953ء میں ایم اے (اردو) اورینٹل کالج لاہور سے کیا۔ ان کے ادبی مقالے کا عنوان "اردو سوانح نگاری کا ارتقاء" تھا۔ پھر 1965ء میں بی۔ ایڈ کی ڈگری میکلگن کالج سے حاصل کی۔ ایک نجی سکول میں پہلی نوکری کا آغاز کیا۔ اس کے بعد اسلامیہ کالج کوپر روڈ میں مستقل لیکچرار مقرر ہوئیں۔ 1988ء میں اسی کالج سے ریٹائرڈ بھی ہوئیں۔ پھر اپوا کالج سے دوبارہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔

1975ء سے 1976ء تک پبلک سروس کمیشن کے ادارے کی ممبر تھیں۔ الطاف فاطمہ نے اپنی زندگی اپنی مرحومہ بہن کے بچوں اور ادبی دنیا کے لئے وقف کی تھی۔ انھوں نے شادی نہیں کی۔ اپنے گھر "کنج گلی" میں آخری عمر تک اپنے وفادار ملازم غلام حسین اور ان کی بیٹی کے ہمراہ لاہور میں قیام کیا۔ الطاف فاطمہ نے کبھی کسی ادبی محفل میں شمولیت اختیار نہیں کی اور نہ ہی کسی کو کوئی انٹرویو دیا۔ آخر میں اپنے ملک کے سماجی اور سیاسی حالات کے باعث اعصابی کمزوری میں مبتلا ہوئیں۔ طویل بیماری کے بعد 90 برس کی عمر میں 29 نومبر 2018ء کو وفات پا گئیں۔ ان کو لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب میں سپرد خاک کیا گیا۔ ڈاکٹر سلیم اختر "اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ" میں لکھتے ہیں:

> "بانو قدسیہ، الطاف فاطمہ، فرخندہ لودھی اور رضیہ فصیح احمد۔۔۔۔ ان چاروں کا نام اگرچہ اکٹھا نہیں لیا جا سکتا لیکن ایک خصوصیت ان چاروں میں مشترک نظر آتی ہے کہ یہ کرداروں کی نفسیاتی تصویر کشی میں کامیاب رہتی ہیں۔"(8)

الطاف فاطمہ نے 1962ء میں ایم-اے کے دوران افسانہ نگاری کا آغاز کیا۔ ان کا پہلا افسانہ "پھر اس رہ گزر کی بات کریں گے" تھا۔ الطاف فاطمہ نے نسوانی کرداروں کے ذریعے خواتین کے نفسیاتی کیفیات اور خارجی حالات کے اثرات کو عیاں کیا۔ ان کے نسائی کرداروں میں ماضی اور رومانیت کا رجحان زیادہ ہیں۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

"الطاف فاطمہ نے بے زبان عورت کے دل میں جھانک کر سوئے سپنوں کو جاگتے دیکھا اور ان کو ہی اپنا موضوع بنایا۔"(9)

الطاف فاطمہ نے پانچ افسانوی مجموعے لکھے جن کے عنوان درج ذیل ہیں:"وہ جسے چاہا گیا"،1949ء"،"جب دیواریں گریہ کرتی ہیں"1988"،"تارِ عنکبوت"1990"،"دیدوادید"2001"،"گواہی آخرِ شب کی"،2018۔

الطاف فاطمہ کے چار بہترین ناولوں کے عنوان ہیں: نشانِ محفل، 1960ء، دستک نہ دو، 1966ء، چلتا مسافر، 1981ء خواب گر، 2005ء انھوں نے مختلف انگریزی کتب کے تراجم بھی لکھے۔

الطاف فاطمہ کے افسانوں میں عام افراد کی نفسیاتی الجھنوں کے علاوہ جنگی سپاہیوں اور مہاجروں کی مشکل زندگی اور آزمائش بھی موجود ہے۔ الطاف فاطمہ کا پہلا افسانوی مجموعہ "وہ جسے چاہا گیا" کا افسانہ "گواہی" بھی 1965ء کے پسِ منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس افسانے میں جنگی حالات سے پیدا شدہ ذہنی تناؤ موجود ہے۔ اسی مجموعہ کے افسانوں "وہ جسے چاہا گیا"، "کہیں یہ پروائی تو نہیں"، "شہپر" اور "پرانا حریف" میں تقسیمِ ہند کے بعد کی نفسیاتی کیفیات کا ذکر ہے۔ انسان ماضی کی تکلیف دہ یادوں سے نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ذہنی بیماریاں سارے گھر کے ہر فرد کو متاثر کرتی ہیں۔

الطاف فاطمہ کے دوسرے افسانوی مجموعہ "جب دیواریں گریہ کرتی ہیں" میں بھی ماضی کی تکلیف دہ یادیں ہیں۔ افسانہ "جشنے دارد" جدیدیت پر مبنی ہے۔ جدید ایجادات نے لوگوں کو ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔ الطاف فاطمہ جشنے دارد" میں لکھتی ہیں:

"گرما کی تاروں بھری راتوں میں یہ گلی (جسے بستی کے آخری نکڑ پر رہنے والا بوڑھا سقہ اپنی مشک سے چھڑک کر خنک کر دیا کرتا تھا۔) کتنی آباد ہو جاتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے گھروں کی گھٹن اور حبس سے گھبرا کر محلے کے لوگ (بستی یعنی کچی آبادی والے) باہر نکل آیا کرتے تھے۔"(10)

اسی مجموعہ کے افسانہ "ننگی مرغیاں" میں انھوں نے ملازمت پیشہ خواتین کے نفسیاتی مسائل دکھائے ہیں۔ بعض خواتین مغربی تہذیب کی تقلید میں اپنی عزت بھی داؤ پر لگا دیتی ہیں۔ احساسِ کمتری کی وجہ سے وہ مکمل لباس کو دقیانوسی خیال کرتی ہیں۔ الطاف فاطمہ افسانہ "ننگی مرغیاں" میں لکھتی ہیں:

"اے لوگو! سنو، جب تم بے لباسوں کو لبادے اوڑھنے پر آمادہ نہ کر سکو تو اپنی نگاہیں نیچی کر لو۔"
(11)

انھوں نے مشرقی روایات، مذہبی، تہذیب اور خاندانی روایات کی پامالی پر طنز کیا ہے۔

الطاف فاطمہ کا تیسرا مجموعہ "تارِ عنکبوت" میں 1947ء، 1965ء اور 1971ء کی جنگوں سے پیدا شدہ نتائج دکھائے ہیں۔ ہجرت و فسادات سے جانی اور مالی نقصان نے ہر فرد کا سکھ چین لوٹ لیا تھا۔ 1965ء کی جنگ میں بھارتی فوج کو پاکستانی بہادر فوج نے شکست دی

لیکن ہر انسان کو ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی مجموعہ کا افسانہ "خیال بیاباں نورد" کو الطاف فاطمہ نے 1971ء کے پس منظر میں لکھا۔ بے روزگاری نے ہر فرد کو اعصابی تناؤ اور احساسِ کمتری میں مبتلا کیا۔ افسانہ "رتن جوت" میں انھوں نے ملازمت پیشہ لڑکیوں کے نفسیاتی مسائل دکھانے کی کوشش کی ہیں۔ وہ سمجھتی ہے کہ عورت چاہے کتنی ہی مضبوط اور حسین کیوں نہ ہو اسے ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کی حفاظت کر سکے کیونکہ تنہا زندگی گزارنے سے انسان نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

افسانہ "تار عنکبوت" میں مشرقی خواتین، مغربی تہذیب کی تقلید کرتی ہیں۔ ایسی خواتین جو تعلیم حاصل کر کے اپنے بچوں کو دوسروں کے سپرد کر دیتی ہیں اور بعد میں پچھتاتی ہیں۔ اس سے بچوں میں نفسیاتی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہے۔ آخر عمر میں بچے بھی ان سے انتقام لیتے ہیں اور انھیں اولڈ ہاؤس میں بھیج دیتے ہیں۔ "تارِ عنکبوت" میں الطاف فاطمہ لکھتی ہیں:

> "یہ دو بچوں کی دو بیڑیاں ایک ہنگامی قسم کی ذہنی کیفیت کا نتیجہ تھی (جی ہاں سنتھیا ان دنوں شدت سے مشرقی بیوی کا پارٹ ادا کرنے کی دھن میں تھی) اور اس طرح اس کے کیریئر میں رخنہ پڑا۔"(12)

الطاف فاطمہ کے چوتھے افسانوی مجموعہ "دید وادید" میں بھی 1965ء کے جنگ کے نتیجے کے بد اثرات موجود ہیں۔ افسانہ "تکرارِ تمنا" میں اپنے وطن سے دور تعلیم کے سلسلے میں باہر جانے والی لڑکیوں کے نفسیاتی الجھنیں اور گھٹن موجود ہیں۔ افسانہ "روشنی، ہوا اور پانی" میں زہرہ نام کی ایک لڑکی اپنے والدین کی عدم توجہ اور محبت کی کمی سے ذہنی دباؤ اور اندرونی گھٹن کے باعث ہسٹریا کی مریض بن جاتی ہے۔ فطری محبت کے نہ ملنے پر وہ غیر فطری راہوں پر نکلتی ہے اور اپنے لیے ایک سہارے تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جب اس کا والد اس پر سختی کرتا ہے تو وہ کہتی ہے:

> "مجھے اپنے اندر چھپالو۔ مجھے خنکی اور طراوت کی ضرورت ہے۔ میرے اندر صدیوں کی آگ بھڑک رہی ہے۔ جہنم کے شعلوں کی زبانیں میرے وجود کو چاٹے جارہی ہیں۔ میرے حصے میں تاریکی، گھٹن۔۔۔۔۔اور گناہ ہیں۔۔۔۔۔۔انہیں بجھادو۔"(13)

افسانہ "بسیرے کی وہ شب تھی" میں ایک خاتون کردار مرغی کو ذبح ہوتے دیکھتی ہے تو اس پر وہ حشت اور خوف سے ہسٹریا کے دورے آجاتے ہیں۔ وہ بار بار اپنے چہرے کو دھوتی ہے جیسے اس نے کسی کو قتل کیا ہو۔ وہ خود کو مجرم سمجھتی ہے۔ اس احساس جرم کی وجہ سے وہ ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتی ہے۔ الطاف فاطمہ اس افسانے میں لکھتی ہے:

> "ان سفید، بھورے، سیاہ پروں کے کمبل تلے کوئی میرا ہی جیسا جسم وجاں چھپا ہوا ہے اور گردن پر چھری پڑتے ہی میں چیخنے چلانے لگوں گی اور اب میرے اندر ایک وحشت اور ہسٹریا جنم لے رہا ہے"۔(14)

پاک بھارت جنگ کے اثرات سے متاثر لوگوں کی نفسیاتی الجھنوں پر مبنی افسانوں میں "اصحابِ تحیر" اور "مہرہ جو پٹ گیا" بہترین افسانے ہیں۔ الطاف فاطمہ کے افسانوں میں ہجرت و فسادات سے متاثر خواتین کے نفسیاتی مسائل کے واقعات وافر مقدار میں موجود ہیں۔

انہوں نے ایک حقیقت پسند ماہر نفسیات کی مانند زندگی کے ہر شعبے کے افراد کے احساسات اور جذبات کا مشاہدہ کیا ہے۔ افسانہ "دیدوادید" میں انہوں نے بغداد کی تباہی اور بربادی سے پیدا شدہ نفسیاتی مسائل سامنے لانے کی کوشش کی ہے:

"یہاں تو برسوں بلکہ صدیوں پرانے گھنے چھتنار درخت کی شاخوں اور ڈالیوں پر آباد بے شمار آشیانوں کو نوچ کھسوٹ کر تنکا تنکا کرکے بکھیر دیا گیا ہے۔ یہ کوئی شہر ہے کہ گورستان"۔(15)

"دیدوادید" افسانہ عراق اور امریکہ جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ بہت سی خواتین سے ماں باپ کے سہارے چھن گئے۔ تنہا زندگی نے ان کو ذہنی اذیت میں ڈال دیا تھا۔ وہ زندہ اور خوش رہنے کے لیے مضبوط سہاروں کی تلاش میں تھیں:

"میرا نکاح کروادیں۔ میں نکاح کرنا چاہتی ہوں"

"اے ہے! خبطن تو نہیں ہو گئی ہو تم یہ بیٹھے بٹھائے نکاح کا کیا شوق!"

'شوق نہیں، یہ میری ضرورت ہے"۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو میں بات کر رہی تھی"(16)

الطاف فاطمہ کے پانچویں افسانوی مجموعہ "گواہی آخر شب کی" کا افسانہ "غیر ملکی لڑکی" میں ہجرت سے پیدا شدہ خواتین کے نفسیاتی مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا مسئلہ لڑکیوں کی شادی کا ہے۔ اس مسئلے نے والدین اور لڑکیوں کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے۔ جدید دور میں جہیز کے مطالبات نے تعلیم یافتہ اور خوب سیرت لڑکیوں کے والدین کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ الطاف فاطمہ افسانہ "غیر ملکی لڑکی" میں جہیز کے بارے میں لکھتی ہیں:

"لڑکی ہے تو سگھڑ اور پیاری سی۔ پر بھئی آج کل تو لڑکیاں جہیزوں میں موٹریں اور ریڈیو گرام لا رہی ہیں۔ نا بھیا۔۔۔ میں تو کبھی بھی نام نہ لوں"۔(17)

جب جہیز کے نام پر ایک خوب سیرت لڑکی رد کی جاتی ہے تو والدین کے ساتھ اس لڑکی کی عزت نفس بھی مجروح ہو جاتی ہے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہے۔ افسانہ "موج خون" کی ذکیہ بھی تقسیم ہند کے بعد ہجرت وفسادات سے ذہنی اذیت سے دوچار ہوتی ہے۔ افسانہ "اقرار شکست" میں بے حس انسانوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو زندہ انسانوں کی قدر کے بجائے مردہ انسانوں کو ثواب کی نیت سے کندھا دیتے ہیں۔ افسانہ "دکھوں کی بیوپاری" میں الطاف فاطمہ نے ملازمت پیشہ لڑکیوں کے دکھ درد اور ذہنی اذیتیں دکھائی ہیں۔ بعض ملازمت پیشہ لڑکیوں کو اپنے گھر کی ذمہ داریاں وقت سے پہلے ختم کر دیتی ہیں۔ کوئی بھی اس کا دکھ نہیں سمجھ سکتا۔ اسے بھی اپنا دکھ سکھ بانٹنے کے لیے ایک مخلص سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔

افسانہ "گواہی آخر شب کی" میں 1971ء کی جنگ کے اثرات سے متاثر افراد کی ماضی کی تکلیف دہ یادیں اور الجھنیں ہیں۔ "مسئلہ امیرن کا" افسانے میں ملازمت پیشہ خواتین کی نفسیاتی الجھنیں ہیں۔ جہیز کی لعنت نے بیٹی کی پیدائش کو جرم بنا دیا ہے۔ افسانہ "انجم ناز، جماعت ہفتم" میں الطاف فاطمہ نے گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی ذلت اور ذہنی اذیتوں کو دکھایا ہے۔ افسانہ "خزاں کے رنگ" میں لڑکیوں پر بے جا پابندیوں سے اس کی نفسیاتی بیماریوں اور احساس کمتری کو عیاں کیا ہے۔ اگر لڑکیوں کو تعلیم یا ہنر نہ سکھایا جائے تو زندگی ان کے

لیے ایک بوجھ بن جاتی ہے۔ وہ یا تو ذہنی توازن کھو دیتی ہے یا خودکشی اور بے راہ روی کی طرف چلی جاتی ہے۔ والدین کی بہترین تعلیم وتربیت کے ساتھ توجہ وشفقت سے لڑکیاں بہت سی نفسیاتی بیماریوں سے بچ سکتی ہیں اور وہ ایک پر اعتماد شخصیت کی مالک بن سکتی ہیں کیونکہ نامکمل ہونے کا احساس بعض اوقات انسان کو اپنی نظر میں بھی حقیر بنا دیتا ہے اور احساسِ کمتری کی وجہ سے اس کی اپنی شخصیت میں بھی کمی رہ جاتی ہے۔ یہ احساسِ کمتری انسان کو ہر وقت بے چین اور اذیت میں مبتلا رکھتی ہے۔ اس تکلیف دہ ذہنی کشمکش سے وہ غلط فیصلے کر جاتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے شرمندگی اور پشیمانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر "عورت جنس کے آئینے میں" لکھتے ہیں:

> "بسا اوقات لوگ اپنی ذات اور شخصیت کو اظہار کا موقع نہیں دیتے یا وہ پریشانی کے باعث جلد بازی سے کام لیتے ہوئے غلط فیصلے کر بیٹھتے ہیں"۔(18)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور لاشعور، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2008ء، ص:30
2. ایضاً، ص25
3. ثوبیہ طاہر، ڈاکٹر، فرائڈ کے مضامین، نگارستان پبلشرز، لاہور، 2017ء، ص:22
4. ایضاً، ص:22
5. ایضاً، ص:32
6. سلطانہ بخش، ڈاکٹر، پاکستانی اہل قلم خواتین، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 2003ء، ص:9
7. ایضاً، ص:194
8. سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2009ء، ص:513
9. ایضاً، ص:513
10. الطاف فاطمہ، جب دیواریں گریہ کرتی ہیں، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء، ص:16
11. ایضاً، ص:31
12. الطاف فاطمہ، تار عنکبوت، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، 1990ء، ص:46
13. الطاف فاطمہ، دیدو دید، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، 2017ء، ص:79
14. ایضاً، ص:232
15. ایضاً، ص:40
16. ایضاً، ص:48
17. الطاف فاطمہ، گواہی آخر شب کی، جمہوری پبلی کیشنز، لاہور، 2018ء، ص:18
18. سلیم اختر، ڈاکٹر، عورت جنس کے آئینے میں، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2009ء، ص:66

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Salim Akhtar, Dr.,Adab aur Shaor, Sang Meel Publications, Lahore, 2008, P:30
2. Ibid,P:25
3. Sobia Tahir, Dr.Fried kay Mazameen, Negarastan Publishers, Lahore, 2017, P:22
4. Ibid,P:22
5. Ibid,P:32
6. Sultana Bakhsh, Dr. Pakistani Ahl e Qalam Khawateen, Pakistan Academy of Letters, Islamabad, 2003, p. 9
7. Ibid., p. 194
8. Salim Akhtar, Dr.,Urdu Adab ki Mukhtasir Tareen Tareekh , Sang e Meel Publications, Lahore, 2009, P:513
9. Ibid, P:513
10. Altaf Fatima, Jab Dewareen Girya Karti Hay, Jamhoori Publications, Lahore, 2003, P:16
11. Ibid, P:31
12. Altaf Fatima, Tar Ankaboot,Jamhori Publications, Lahore, 1990, P:46
13. Altaf Fatima, Deed o Adeed, Jamhoori Publications, Lahore, 2017, P:79
14. Ibid, P:232
15. Ibid, P:40
16. Ibid, P:48
17. Altaf Fatima, Gawahi Akhir e Shab ki, Jamhoori Publications, Lahore, 2018, P:18
18. Salim Akhtar, Dr., Aurat Jenas Kay Aine Mein Sang e Meel Publications, Lahore, 2009, P:66